شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ (موضح قرآن) اور اس کی خصوصیات

عبدالحئ مدنی ☆

Shah Abdul Qadir Muhaddis Dehlvi (1769-1814) was an eminent son of a great scholar Shah Wali Ullah Muhaddis Dehlvi. The first even translation of the Holy Quran in Urdu is on shah Abdul Qadir's credit who following the tradition set by his father, converted the Quranic injunction into Urdu the lingua franca of the time. I gave a compact detail of this translation of Shah Abdul Qadir.

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا تعارف اور علمی مقام:

❀ نام ونسب:

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قواذن بن قاضی قاسم بن کبیر عرف قاضی بدہا بن عبدالمالک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین المفتی عرف قاضی پران بن شیر ملک بن عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمرو الحاکم بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہما۔(۱)

❀ پیدائش:

آپ کی پیدائش ۱۱۶۳ھ الموافق ۱۷۶۹ء میں دہلی میں ہوئی آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔اور آپ کا شجرہ نسب ۳۴ پشت کے واسطے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

☆ لیکچرار این ای ڈی یونیورسٹی کراچی۔

❀ تعلیم وتربیت:

شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد محترم کے ہاتھوں ہوئی جبکہ والد کی وفات کے بعد تکمیل علوم کی سعادت اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حاصل کی۔(۲)

جبکہ سلوک وتصوف میں آپ نے شیخ عبد العدل دہلوی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور اردو زبان وادب کے سلسلہ میں خواجہ میر درد کی صحبت بھی اختیار کی اوران سے استفادہ کیا۔(۳)

❀ معروف تلامذہ:

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ سے ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا، ان میں سے مشہور اور معروف شیخ عبدالحئی ہبۃ اللہ، شاہ اسماعیل شہید، شیخ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی، مرزا حسن علی شافعی، شاہ محمد اسحاق اور دیگر علماء شامل ہیں۔(۴)

❀ اولاد:

شاہ صاحب کی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی اوراس کی شادی شاہ صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ صاحب سے کی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ سے ہوئی۔(۵)

❀ انتقال:

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۰ھ الموافق ۱۸۱۴ء میں وفات پائی اور اپنے جدامجد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی دفن ہوئے۔

❀ علمی مقام:

خانوادہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی علمی خدمات اس اعتبار سے بےمثل و بےنظیر ہیں کہ یہ سب دور زوال میں کی گئی کاوشیں ہیں اور ہر فن میں تحقیقی کام پیش کیا گیا۔ اس خانوادہ میں سے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے ترجمہ وحواشی کے علاوہ کوئی قابل ذکر تصنیفی، تالیفی خدمات نہیں ہیں تاہم شاہ صاحب کو صرف اسی ایک خدمت نے زندۂ جاوید کر دیا ہے۔

کسی بھی شخص کے علمی مقام کی گواہی اس کے تلامذہ دیتے ہیں شاہ صاحب کے تلامذہ نے برصغیر میں جو علمی خدمات سرانجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں ۔شاہ صاحب کا اردو ترجمہ قدیم اردو

نثر کا ایک شاہکار ہے۔

شاہ صاحب کو قرآن سے گہرا شغف تھا جس کی وجہ سے آپ چالیس سال مسجد اکبر آبادی میں قرآن مجید کی تفہیم و تدریس میں مشغول رہے اور اسی زمانے میں آپ نے قرآن مجید کا مشہور و معروف اردو ترجمہ "موضح قرآن" لکھا جو آپ کے گہرے غور و فکر اور تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔ جس پر تحریر کردہ مختصر اور جامع حواشی فوائد کے اعتبار سے بے شمار تفاسیر پر بھاری ہیں۔

❀ اساسیات ترجمۂ قرآن:

قرآن مجید جو کہ لاریب وحیٔ الٰہی ہے، اس کے اعجاز کے شواہد خود اس کے باطن میں موجود ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کی باقی رہنے والی عظیم ترین نشانی جس کا ہر جملہ آیت یا نشانی کی حیثیت سے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس دعوت کے پیش نظر بلند ارادوں کا حصول اور عالی مقاصد میں کامیابیاں ہیں، ان کے لیے اس کلام کو علو و رفعت کی چوٹیوں تک پہنچایا گیا اس حوالے سے چند اہم امور درج ذیل ہیں:

- معانی کی تکرار
- جملہ موضوعات کلام کے سلسلے میں فصاحت اور جملوں میں حسن تالیف۔
- تناقض اور خطاء سے صحیح و سالم ہونا۔
- معانی کا عمق جو گہرائی اور گیرائی سموئے ہوئے ہے۔
- غیبی خبروں کا ازحد بلیغ الفاظ میں مذکور ہونا جو کہ عدیم المثال ہے
- اس کا اعجاز اس کی روحانیت میں پنہاں ہے جو کہ علوم الٰہیہ اور دینی عقائد کے اصولوں، فضائل و آداب کے قوانین، سیاسی و تمدنی و اجتماعی ضوابط پر مشتمل ہونا۔

قرآن مجید کے مندرجہ بالا امور ایسے ہیں جو کہ ہر مترجم اور مفسر کو مدنظر رکھنا پڑتے ہیں تا کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ و حواشی اور تفسیر کرتے وقت اس کی روح کو نظر انداز نہ کرے اور تیسیر قرآن جیسا اہم فریضہ بخوبی ادا ہو سکے۔

چونکہ تمام افراد یکساں قابلیت و فہم کے مالک نہیں ہوتے اور ان کی استعداد و صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے مزید برآں معاملہ جب کلام الٰہی کا ہو تو اس کی جامعیت، ہمہ گیری، بسط اور وسعت

کو ترجمہ میں سمونا ایک از حد مشکل امر ہے جس سے عہدہ براہ ہونا صرف اس شخص کے بس کی بات ہے جسے عربی لغت اور مقامی زبان پر مکمل عبور ہو۔

برصغیر میں اردو ترجمہ کی ابتدا:

اردو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی ابتدا بارہویں صدی ہجری میں ہوئی جس میں ایک ترجمہ ملتا ہے جو کہ قاضی محمد معظم سنبھلی نے ۱۱۳۱ھ میں کیا اور اس کے بعد دکنی اردو میں بھی ایک ترجمہ ملتا ہے جو کہ ۱۱۵۰ھ میں ہوا ہے۔ لیکن یہ دونوں تراجم اور ان جیسی دیگر کاوشیں یا تو نامکمل تھیں یا ان کے ترجمہ میں خامیاں تھیں جس کی وجہ سے اردو زبان میں ایک ترجمہ کی کمی محسوس کی گئی چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا موضح قرآن سامنے آیا جسے عوام وخواص میں نہ صرف کہ قبولیت عام حاصل ہوئی بلکہ تمام مترجمین قرآن کے لیے مرجع و مصدر بھی ہے۔

موضح قرآن کے بارے میں علماء کے تاثرات:

* مشہور مؤرخ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن مجید جو کہ ''موضح قرآن'' کے نام سے مشہور ہے اب سے دو برس پہلے اس زمانے کی دلی کی ٹکسالی زبان میں کیا گیا ہے جس میں کثرت سے ایسے الفاظ محاورات اور کہاوتیں ہیں جن کو عوام تو درکنار اردو زبان کے ادیب اور اہل قلم تک نہیں سمجھ سکتے۔ (۶)

* ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب موضح قرآن کے بارے میں رقم طراز ہیں:

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دوسرے ترجمہ کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے ہوئے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ (۷)

* شیخ الہند محمود الحسن اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں:

چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی و امام ہیں انہوں نے بامحاورہ

ترجمہ کو اختیار فرمانے کی یہی وجہ بیان کی ہے، یعنی قرآن کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اور مزید فرماتے ہیں کہ

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب، کلمات قرآن اور معانیٔ لغویہ کو اس حد تک نبھایا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز بس نہیں۔ (۸)

* ڈپٹی نذیر احمد دھلوی شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا اکٹھے دو اردو کے ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحب کا تو اب ہر ایک کو ترجمہ کا حوصلہ ہو گیا مگر خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ہرگز مترجم نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہی ترجموں میں اس نے ردوبدل، تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام دے دیا۔ (۹)

* مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خدمت جس میں اردو زبان ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت قرآن مجید کا ترجمہ کیا جب زبان بالکل طفولیت کی حالت میں تھی اور نثر نویسی بھی پوری طرح شروع نہیں ہوئی تھی ایسا کام وہی لوگ کر سکتے تھے جو زبان ڈھالنے والے ہوتے ہیں۔ (۱۰)

* مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ''موضح قرآن'' کے بارے میں کہا کرتے تھے:

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ''موضح قرآن'' لکھ چکے تو فارسی کا یہ شعر تھوڑے تصرف کے ساتھ پڑھتے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامہ من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآن در بغل

حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ کہ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حاصل نہیں ہوتے وہ اس ترجمہ

سے حل ہو جاتے ہیں۔(۱۱)

* تحریک پاکستان کے معروف راہنما سرسید احمد خان اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''آثار الصنادید'' میں لکھتے ہیں:

ان کا ترجمہ کلام اللہ کا، اردو لغات کے لئے ایک بڑی سند ہے۔(۱۲)

المختصر علماء کی ایک کثیر تعداد ''موضح قرآن'' کی تعریف میں رطب اللسان ہے یہ چند اقوال صرف بطور نمونہ رقم کیے جا رہے ہیں جس سے یہ اندازہ کیا جانا بہت آسان ہے کہ ''موضح قرآن'' کا اسلامی، علمی اور ادبی حلقوں میں کیا مقام ہے۔

❀ موضح قرآن کے خواص کا جائزہ:

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا ترجمہ آسان اردو زبان میں کیا جس کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک آسان فہم اور کسی بھی قسم کے حشو و زوائد، تصنع و تکلف سے پاک ترجمہ ہے جس میں ایک فطری سادگی پائی جاتی ہے جو کہ قاری پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور اس کے لئے قرآن فہمی بہت آسان ہو جاتی ہے اور اس کی روح تک پہنچنا ناممکن نہیں رہتا۔

''موضح قرآن'' میں شاہ صاحب کے تحریر شدہ مقدمے سے جو امور مستنبط کیے جا سکتے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

☆ موضح قرآن لفظی ترجمہ نہیں ہے۔

☆ حسن مفہوم کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

☆ ہندی ترکیب اور عربی ترکیب میں بعد ہونے کی وجہ سے لفظی ترجمہ قرآن کے حقیقی مفہوم کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔

☆ ترجمہ کے دوران عام تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ عام طبقہ بھی سمجھ سکے۔

☆ دین کی سمجھ بغیر استاد کے بہت مشکل ہے لہٰذا رہنما کے بغیر فہم قرآن بہت مشکل ہے بلکہ بعض مقامات پر ناممکن ہو جاتا ہے۔

☆ ترجمہ کے علاوہ بعض آیات پر حواشی بھی تحریر کیے گیے ہیں۔

موضح قرآن کے ترجمہ میں جو حسن بیان نظر آتا ہے وہ اردو زبان میں عدیم المثال ہے اس کی

سلاست اور لطافت کا یہ عالم ہے رواں دواں اور آسان فہم ترجمہ کرتے وقت الفاظ کا حسن انتخاب ایسا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر لفظ ہو ہی نہیں سکتا۔ ''موضح قرآن'' کے محاسن کا پیش خدمت جائزہ درج ذیل موضوعات کے تحت کیا جائے گا۔ ان میں سے ہر موضوع کے تحت صرف چند منتخب قواعد کا مطالعہ کیا جائے گا کہ قید صفحات مکمل احاطہ کی قطعی اجازت نہیں دیتے لہٰذا سعی ناتمام یہ ہوگی کہ ان منتخبات کے ذریعے انصاف کرسکوں (ان شاءاللہ العزیز):

☆ موضح قرآن اور علم نحو

☆ موضح قرآن اور افعال کا ترجمہ

☆ موضح قرآن اور علم بلاغۃ

☆ موضح قرآن کے ادبی پہلو

☆ موضح قرآن کے علمی پہلو

☆ موضح قرآن اور مظاہر فطرت

☆ موضح قرآن اور علم نحو:

موضح قرآن کے ترجمہ کے دوران شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات میں موجود علم نحو کے شواہد کا جس مناسب انداز میں ترجمہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جو کہ انتہائی مؤثر اور بلیغ ہے اس میں جن قواعد کے تحت مطالعہ کیا جائے گا وہ درج ذیل ہیں:

قرآن مجید نے بعض اوقات اشیائے قریب کے لیے اشارہ بعید استعمال کیا ہے اور اسی طرح اشیائے بعید کے لیے اشارہ قریب استعمال ہوا ہے جس کا مطلب صرف اور صرف ان اشیائے کی بڑائی اور ان کی اہمیت کے بیان کے لیے ایک مؤثر اسلوب ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے کہ

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ (۱۴)

ترجمہ: از شاہ صاحب: ''اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے''

اس آیت میں ایک غیر موجود چیز کے لیے قریب کا اشارہ استعمال کیا جا رہا ہے اور مقصد حکم الٰہی کی تاکید ہے جو کہ ترجمہ میں بھی اسی طرح موجود ہے۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ:

﴿ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (۱۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔

اس میں بھی شاہ صاحب نے اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے اشارۂ بعید کا ترجمہ اشارہ قریب کے ذریعے کیا ہے۔

شاہ صاحب آیت میں استعمال ہونے والے حروف جر کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ انھی کا خاصہ ہے کہ ترجمہ کو مناسب انداز میں قابل فہم بنانے کے لیے اور اردو قالب میں ڈھالنے کے لیے حروف جر کو مختلف معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ (۱۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: جو کوئی لایا نیکی اس کو ہے اس کے دس برابر۔

اس آیت میں دو حروف جر استعمال ہوئے ہیں ''حرف باء'' جس کے معنی ''مصاحبت'' کے ہیں اور ''حرف لام'' جس کے معنی ''تملیک'' کے ہیں۔ جبکہ شاہ صاحب نے جو ترجمہ کیا اس سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ جو کوئی بھی نیکی کے ساتھ آئے گا یا نیکی لے کر آئے گا، یعنی ایجاز اور اختصار کو مدنظر رکھ کر عربی الفاظ کا بعینہ وہی بامحاورہ ترجمہ کیا جس میں فصاحت اور بلاغت کے عناصر موجود ہیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ (۱۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور مدین کی طرف بھیجا اس کے بھائی شعیب کو بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا۔

تبصرہ: حرف جر لام کا پچھلی آیت میں ترجمہ کیا گیا تھا ''اس کو ہو'' جبکہ اس آیت کے سیاق و سباق کا مفہوم کو مدنظر رکھ کر ''کوئی نہیں تمہارا'' ترجمہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے کتنی دقت نظر سے ترجمہ کیا۔

قرآن مجید نے آیات میں استعمال ہونے والے مفاعیل کے ترجمہ میں جو بلاغت دکھائی ہے اس کا ترجمہ شاہ صاحب نے جس انداز میں کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ درج ذیل آیت میں ہے:

﴿ انَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴾ (۱۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر۔

آیت کے ترجمہ میں جس طرح عربی ترکیب کا خیال رکھا گیا ہے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے یا خود اصل کلام۔

عربی ترکیب کا ہندی ترکیب میں ایسا با محاورہ ترجمہ کیا ہے کہ آیت کا اصل مفہوم بھی بیان ہو جاتا ہے اور آیت کا حسن بھی برقرار رہتا ہے۔

☆ موضح قرآن اور افعال کا ترجمہ:

قرآن مجید نے اپنی بات کہنے کے لیے کبھی افعال معروف کا ستعمال کیا تو کبھی مجہول کا۔ ان افعال کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے معنوی بلاغت اور حکمت سے کام لیا ہے اس میں خیالات کی ندرت کے ساتھ کلمات کے ترجمہ میں بھی وہی حسن بدرجہ اتم نظر آتا ہے جیسا کہ درج ذیل مثال میں ہے:

ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ (۱۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔

قواعد عربی زبان کے مطابق فعل کی اصل یہ ہے کہ وہ معروف استعمال ہو، لیکن بسا اوقات کلام میں مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً: کبھی فاعل کو بطور حقارت ذکر نہیں کیا جاتا جیسا کہ مذکور بالا آیت میں فعل مجہول "كُذِّبَتْ" کے ذریعے رسولوں پر واقع ظلم کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد کا ترجمہ اس طرح کیا "اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام" اس

طرح شاہ صاحب نے ترجمہ میں فعل متعدی بمعنی لازم کیا اور فعل مجہول کا ترجمہ معروف قرار دے کر کیا اس طرح قاری کا ذہن براہِ راست اس مفہوم تک پہنچتا ہے کہ تمام معاملات تمام اعمال برے اور اچھے بھلے سب اللہ تعالی کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔اور کبھی فاعل کے بیان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور اصل مقصود مفعول کے بیان سے ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ﴾ (۲۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں

اس آیت میں اصل مقصد نماز ختم ہونے کا بیان ہے اس لیے فاعل کو حذف کیا گیا اور نمازی سے کوئی غرض نہیں تھی لہٰذا شاہ صاحب نے بھی ترجمہ کے دوران ترکیب لفظی اور قواعد کے ترجمہ میں اس کی اصل روح کو برقرار رکھا۔

☆ موضح قرآن اور علم بلاغۃ:

قرآن مجید جب نازل ہوا تو یہ کلام کے اعتبار سے ازحد فصیح اور اسلوب و معنی کے اعتبار سے بے حد بلیغ تھا اور اپنی اسی فصاحت و بلاغت کی بنا پر عربوں کو اس نے عاجز کر دیا تھا اور وہ سب اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود اس کے معتقد ہو گئے تھے۔شعراء اس سے مبہوت ہو گئے تھے اور ان کی شاعری خاموش ہو گئی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا ایک نرالا اظہار بیان، بلاغت، حسن بیان کا یکتا طرز ہے۔یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ قرآن مجید نے جو تعلیمات پیش کی ہیں ان کا اسلوب بیان اس زمانے کے ادب کے اعتبار سے بالکل منفرد ہے لہٰذا اس انفردیت کو قائم رکھنا کہ اصل مفہوم بھی قائم رہے اور بات بھی واضح ہو جائے یہ عنصر موضح قرآن میں بہتر انداز میں پایا جاتا ہے۔

اس اسلوب بیان کے بعض خصائص مختصراً درج ذیل ہیں:

☆ تاکید لفظی اور معنوی کا مناسب ترجمہ

☆ قرآن مجید میں ایجاز و اختصار اور حذف

☆ قرآن مجید کے معانی کی تکرار اور شاہ صاحب کا حسن ترجمانی

☆ استعارات کا برموقع اور برمحل ترجمہ

☆ کلمات آیات کے ظاہری مفہوم کی حقیقی مفہوم سے مخالفت

☆ صنعت مشاکلت

☆ قرآن مجید میں بیان کردہ تشبیہات اور امثال کا ترجمہ

اس مختصر تحریر میں ان سب کا احاطہ تو ناممکن ہے لیکن چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ا۔حروف تاکید کا استعمال:

قرآن مجید کی فضیلت سے وہی شخص آگاہ ہوسکتا ہے جو اس کے اسرار پر غور وفکر اور تدبر کرتا ہے تب اسے اسالیب قرآن سے آگاہی ہوتی ہے اور انھی اسالیب میں سے ایک اسلوب قرآن مجید میں حروف تاکید کا استعمال ہے جس پر قدرے اختصار کے ساتھ بات کی جائے گی۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ (۲۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں،

حرف "انما المشرکون" کا ترجمہ "مشرک جو ہیں" کر کے آیت کے ترجمہ کو شاہ صاحب نے تقدیم وتاخیر کے ذریعے جو بلاغت اور فصاحت بخشی ہے اس سے آیت کے اصل مفہوم میں تاکید پیدا ہوگئی اور ایک دوسری آیت میں بیان ہے کہ:

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ (۲۲)

ترجمہ از شاہ صاحب: بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو، یہ ہے سیدھی راہ

اس آیت میں تاکید لفظی اور تاکید معنوی دونوں موجود ہیں جن کو شاہ صاحب نے ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ترجمہ میں سلاست بیان ہے اور بطور خاص تاکید معنوی کے ترجمہ میں جو انداز اختیار کیا ہے وہ غور وفکر کا محتاج ہے اور ایجاز و برجستگی کے ساتھ مفہوم بھی قائم رہا۔

اسی طرح اور ایک مقام پر ہے:

﴿ اياك نعبد و اياك نستعين ﴾ (۲۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں

تبصرہ: "اِیاک" کا ترجمہ بالکل منفرد انداز میں کیا یعنی "تجھی کو اور تجھی سے"، جس سے تاکید کا حقیقی مفہوم انتہائی جامع انداز میں بیان ہوگیا کہ دیگر مترجمین اس کا ترجمہ عمومی طور پر کرتے ہیں، جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔ یہ واضح رہے کہ مرزا حیرت دہلوی کا زمانہ شاہ صاحب کے زمانے سے کچھ بعد کا ہے۔

اب ان دونوں ترجمہ کے مابین جو فرق ہے وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں ایجاز کے ساتھ تاکید کا مفہوم بھی بدرجہ اتم ملتا ہے جبکہ مرزا صاحب کے ترجمہ میں ایجاز اور تاکید کا وہ معیار نہیں پایا جاتا۔حروف کا اس قدر رواں دواں ترجمہ شاہ صاحب پر ختم ہے۔

۲۔قرآن مجید میں ایجاز واختصار اور حذف:

ایجاز:ایجاز کی تعریف یہ ہے کہ کم سے کم ممکن الفاظ کے ساتھ معنی واضح طور پر بیان کر دینا پس ایسی مختصر عبارت جو زیادہ معانی دے وہ بلیغ کہلاتی ہے اور جس قدر الفاظ کم ہوں گے اور معنی زیادہ ہوں گے اسی نسبت سے بلاغت کے مدارج میں اس قول کی قیمت اونچی ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ وہ اعجاز کے مقام پر پہنچ جائے گا، پس قرآن مجید کی اس خوبی کو اگر اردو زبان کے کسی ترجمے میں دیکھنا ہوتو بلا تذبذب "موضح قرآن" کا نام زبان پر آتا ہے جس میں شاہ صاحب نے ایک ترکیب اور مختصر تراکیب کے ذریعے متعدد معانی پر دلالت قائم کی جن کی تشریح طویل ہو، چنانچہ درج ذیل آیت کے ترجمہ میں یہ لطافت ملاحظہ ہو۔

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنِ ﴾ (۲۴)

ترجمہ از شاہ صاحب :خوب کر معاف کرنا ،اور کہہ نیک کام کو، اور کنارہ کر جاہلوں سے۔

شاہ صاحب نے اس ترجمہ میں عربی متن کے ان تمام معانی کو سمو دیا جو آیت میں تھے کہ اخلاق کے تمام محاسن کو جمع کر دیا اختصار بھی اور جامعیت بھی۔

﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (۲۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک۔

اور ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (۲۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا اللہ کے دونوں خراب ہوتے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ میں ملاحظہ کریں کہ عربی لفظ کے مقابلے میں ترجمہ میں ایک بھی لفظ زائد نہیں ہے مساوات کی اس سے بہترین مثال ممکن ہی نہیں ہے۔

حذف واختصار:

حذف کی مثال یہ ہے کہ مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کو فعل دے دیا جائے جیسا کہ درج ذیل آیت میں دیا گیا ہے:

﴿ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ (۲۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے۔

تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر کی ہے، یعنی ترجمہ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اور پوچھ لیں بستی والوں سے جبکہ شاہ صاحب نے قرآنی متن کی بلاغت کو قائم رکھتے ہوئے اسی طرح ترجمہ کیا کہ جو لفظ آیت میں حذف تھا یعنی مقدر تھا ترجمہ میں بھی اسی طرح اسے برقرار رکھا۔

علم البلاغۃ میں حذف کے اور بھی کئی اسباب ہیں جن میں سے صرف ایک کا تذکرہ مع مثال کیا گیا ہے دیگر وجوہات پر مبنی آیات کے ترجمے میں بھی شاہ صاحب نے اسی طرح بلاغت سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ اختصار کی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ:

﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بل لله الامر جميعا ﴾ (۲۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ، یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا بولے اس سے مردے، بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام۔

شاہ صاحب نے اس میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا کہ اس آیت میں ایسی بات کی گئی ہے جس کا جواب بھی موجود ہے، لیکن بغرض اختصار جواب حذف کر دیا گیا ہے جس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ وہ جواب بے حد معروف ہے اور ہر کوئی جانتا ہے: لہٰذا انھوں نے ترجمہ میں بھی اس امر کو برقرار رکھا اور جواب کو حذف ہی رکھا جس کی تقدیر "لکان هذا القرآن" ہے۔

۳۔قرآن مجید کے معانی کی تکرار اور شاہ صاحب کا حسن ترجمانی:

قصص میں تکرار زجر و وعید کے لیے یا موعظت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے اور حجت قائم کرنے یا بعض عبارتوں میں نعمت کو بیان کرنے اور احسان جتانے یا نعمتیں عطا کرنے والے کی یاد اور شکر کے اقتضا کے لیے آئی ہے۔

یہ تکرار بعض اوقات کبھی ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور بعض اوقات اس کے جزئیات سے متعلق ہوتی ہے۔جیسا کہ سورۂ الرحمٰن میں "فَبِاَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" کی تکرار ہے، یا "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" کی تکرار ہے۔بعض اوقات آیت میں کسی بات کا تذکرہ موجود ہوتا ہے اسی بات کو کسی اور لفظ یا اسی لفظ کے اشتقاق سے واضح کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا ﴾ (۲۹)

جس کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا: اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔

ترجمہ میں بھی اس تکرار کو برقرار رکھا ہے لیکن اس طرح کہ یہ تکرار دل و دماغ پر بوجھ نہ بنے اور جو آیت کا مقصد تھا اس کو مختلف پیرائے میں بیان کیا۔اور کبھی تکرار ایک ہی معنی کے لیے لیکن الفاظ الگ الگ ہوتے ہیں۔تکرار کی مکمل صورتوں کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ناممکن ہے لہٰذا ان چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے ایسی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ ایک ہی معنی کے گرد مختلف آیات جن میں لفظاً اور معناً مشابہت ہے اور فصاحت و بلاغت ہو کلام کو بار بار پیش کرنا یہ قرآن مجید کے اسرار ہیں۔

المختصر شاہ صاحب نے ایسی آیات کے ترجمے میں جو اسلوب استعمال کیا وہ اردو دان طبقے کے لیے قرآن فہمی میں بہت معاون اور مدد ثابت ہوا۔

۴۔ استعارات کا برموقع اور برمحل ترجمہ:

استعارۃ کی تعریف یہ ہے کہ ایک کلمہ اپنے معروف معنی سے ہٹا کر ایک دوسرے جدید معنی میں استعمال کیا جائے جو کہ اصل لغت میں نہ پایا جاتا ہو لیکن یہ چیز اس صورت میں ہوگی کہ ان دونوں کے درمیان مشابہت کا تعلق ہو اور حکمت اس بات کی یہ ہے کہ ایک مخفی چیز کو ظاہر کرنا اور اس ظاہر چیز کی وضاحت کرنا جو لوگوں کے سامنے واضح نہ ہو۔قرآن مجید مختلف قسم کے استعاروں پر محتوی ہے جو اس کی بلاغت کا اظہار کرتے ہیں۔جیسا کہ سورۂ مریم کی ایک آیت میں سیدنا زکریا کی دعا کے آخر میں آتا ہے کہ "وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" ''ڈیک نکلی بوڑھاپے کی سرسے'' شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں بڑھاپے کی اس شدت کو بیان کرنے کے لیے ہندی ترکیب میں سے ایک لفظ استعمال کیا ''ڈیک'' جس کا مطلب بے بسی، کمزوری اور ارذل العمر کی کیفیات کا بیان ہے۔

اور ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾ (۳۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: یوں نہیں، پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر، پھر وہ اس کا سر پھوڑتا ہے، پھر تب وہ سٹک جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں جو تعبیر بیانی اختیار کی ہے اس میں آیت کے دو لفظ ''قذف'' اور ''دمغ'' دونوں مستعار لفظ ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو بیان کرنے کے لیے شاہ صاحب نے جو لفظ استعمال کیے وہ بھی ملاحظہ کریں ''پھینک مارنا'' اور ''سٹک جانا'' یہ دونوں اردو زبان میں اسی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں جس میں عربی کلمات استعمال ہوئے کیونکہ ایک امر تو متفق علیہ اور معروف ہے کہ قرآنی ترکیب کا ترجمہ بعینہٖ کرنا ناممکن العمل بات ہے، لیکن یہ کاوش ضرور ہے کہ قریب قریب مفہوم دیا جا سکے۔

جیسا کہ ایک اور مثال میں ہے کہ

﴿ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴾ (۳۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور صبح کی جب دم بھرے۔

اب دم بھرنے میں جو کیفیت پائی جاتی ہے کہ پہلے قدرتی فضا خوابیدہ اور پرسکون تھی نہ زندگی کے آثار اور نہ ہی حرکت لیکن جب صبح نمودار ہوئی تو کائنات بیدار ہوگئی اور دم بھرنے میں آہستہ آہستہ سانس نکالنے سے مشابہ ہے۔

۵۔کلمات آیات کے ظاہری مفہوم کی حقیقی مفہوم سے مخالفت:

قرآن مجید نے بعض اوقات منفرد اسلوب استعمال کیا ہے کہ جو کلمات استعمال کیے ہیں ان کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ان کلمات کے عمومی معانی ہیں بلکہ وہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے ان کے معانی کا تعین کیا جاتا ہے اور ایسی آیات کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے ایسی تراکیب کا استعمال کیا ہے جس سے یہ شبہ ہی ختم ہو جاتا ہے کہ ان کلمات کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے! جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴾ (۳۲)

ترجمہ از شاہ صاحب: مارے گئے اٹکل دوڑانے والے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ہے کہ

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴾ (۳۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: مارا جائے آدمی کیسا ناشکرا ہے؟

ان آیات میں دعا ذم کے مفہوم میں ہے جس سے وقوع مراد نہیں ہے۔شاہ صاحب نے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جن کلمات کا انتخاب کیا وہ جامع بھی ہیں اور مناسب بھی جیسا کہ پہلی آیت میں ''خراصون'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اب اس کا مطلب جادو کرنے والے ہیں یا شاعر یا کاہن کے ہیں شاہ صاحب نے ان سب کو ایک لفظ میں واضح کر دیا کہ اٹکل دوڑانے والے۔

اردو زبان کے نشیب وفراز جاننے والے اس محاورے کا حقیقی مطلب جان سکتے ہیں کہ آیا اس سے خراصون کا مفہوم ادا ہوا یا نہیں۔

اور اسی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کسی فعل کی جزا کے لیے وہی لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن وہاں دونوں جگہ الگ الگ مطلب ہوتا ہے۔

جیسا کہ آیت میں ہے کہ

﴿ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ، اَللّٰهُ يَسْتَهْزِ بِهِمْ ﴾ (۳۴)

ترجمہ از شاہ صاحب: ہم تو ہنسی کرتے ہیں اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے

یعنی ان کے استہزا کی جزا مراد ہے اور اس کی کثیر مثالیں مذکور ہیں جیسے خدع مکر، نیان وغیرہ۔

اور کبھی کلماتِ استفہام تقریری کے مفہوم میں آتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دَوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: کہا تو نے لوگوں کو؟ کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو، دو معبود سوائے اللہ کے۔

شاہ صاحب نے ترجمہ کے دوران کسی تکلف یا تصنع سے کام نہیں لیا اور سادہ اردو کے ذریعے اس مفہوم کو واضح کر دیا کہ اس آیت میں استفہام تقریری مفہوم میں ہے۔

۶۔ مشاکلت:

علم البدیع میں مشاکلت ایک صفت کے طور پر استعمال ہوتی ہے جس میں کلام کو ظاہری حسن سے آراستہ کیا جاتا ہے جس میں ایک ہی شکل وصورت اور ایک ہی مصدر و مادہ کے دو لفظ ساتھ ساتھ لیے جائیں اور دونوں لفظوں سے الگ الگ معنی اور مفہوم مراد لیے جائیں۔ جس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (۳۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور فریب کیا ان کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

شاہ صاحب نے دونوں ''مکر'' کا ترجمہ الگ الگ کلمات سے کیا جس سے آیت کا مفہوم مزید واضح ہو گیا بظاہر پہلے لفظ کا ترجمہ فریب سے کیا جانا اللہ تعالیٰ کے حق میں مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن عمومی ترکیب کو مدنظر رکھا جائے تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اس لیے مفسرین کہتے ہیں کہ

ہر گناہ کی شکل وصورت اس گناہ کے مثل اور اس جیسی ہوتی ہے اور ہر نیکی کا بدلہ اس نیکی کے ہم شکل ہوتا ہے۔

۷۔قرآن مجید میں بیان کردہ تشبیہات اور امثال کا ترجمہ:

تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک چیز کی شرکت دوسری چیز کے ساتھ، کسی ایسے معنی میں جو ان دونوں کو باہم جمع کرتا ہے اور تشبیہ سے مقصود بات کو پُر اثر اور واضح کرنا ہوتا ہے اور قرآن مجید میں مختلف قسم کی پر معنی تشبیہات وارد ہوئی ہیں جو معانی میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں اور دل میں قبولیت کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں:

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے کہ

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳۷)

''ترجمہ از شاہ صاحب: کہاوت ان کی، جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی، کہاوت مکڑی کی، بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی۔''

شاہ صاحب نے اس تشبیہ میں ان معنوی امور کی وضاحت بھی اپنے ترجمہ میں کر دی جیسا کہ "اوھن'' کا ترجمہ بودا سے کیا جس کا مطلب انتہا درجے کی کمزور چیز جو دیکھنے میں بھی اور حقیقت میں بھی کمزور ہو۔

چونکہ قرآن کے تشبیہات کے عناصر طبعی اشیا سے استخراج کیے ہوتے ہیں اس لیے وہ سامع پر کافی اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کا مکمل ادراک رکھتا ہے۔

قرآن مجید کے خصائص اسلوب میں مثالوں کا بیان کرنا بھی ہے۔عموماً یہ مثالیں نصیحت اور موعظت کے لیے، مضمون کو صراحت کے ساتھ سمجھانے کے لیے اور اس کو ذہن نشین کرنے کے لیے اور مقصود کو عقل سے قریب کرنے کے لیے ہوتی ہے تاکہ اس کا خاکہ محسوس صورت میں کھنچ جائے کیونکہ یہ دل کو مطمئن کرنے کے لیے اور ذہن میں بٹھا لینے کے لیے مناسب ہے۔اور قرآن مجید کی مثالیں دو قسم کی ہیں ظاہر اور مخفی۔

جس کی مثال ارشاد باری تعالی میں یوں ہے:

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ (۳۸)

ترجمہ از شاہ صاحب:۔ ان کی مثال، جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ، پھر جب روشن کیا اس کے گرد کو، لے گیا اللہ ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں نظر نہیں آتا۔

اور ایک دوسری مثال میں ہے کہ

﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ ﴾ (۳۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: پر جھٹلانے لگے ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا۔

شاہ صاحب نے اس ترجمہ کے ذریعے آیت کا حقیقی مفہوم واضح کیا جو کہ ایک متداول مثال کی مانند ہے کہ جو شخص جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس کا مخالف ہوتا ہے۔

موضح قرآن کے ادبی پہلو:

موضح قرآن کی زبان ادبی اعتبار سے اردو زبان کے تمام تراجم پر فائق ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے تمام مکاتب فکر میں بلا تخصیص وتفریق قبولیت عام کا درجہ حاصل ہے کیونکہ دو سو سال گزرنے کے بعد بھی موضح قرآن کی زبان و بیان اسی طرح محسوس ہوتی ہے جیسا کہ آج کل کی کتب میں تصنیف و تالیف کے لیے زبان استعمال ہوتی ہے۔ اکثر علماء وادباء حضرات موضح قرآن کو صرف اس لیے نہیں پڑھتے کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے بلکہ اردو زبان کو سمجھنے کے لیے بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں شاہ صاحب نے جس طرح ہندی تراکیب اور محاورات کا مناسب استعمال کیا ہے اس سے تحریر کی بلاغت اور حسن بیان میں مزید اضافہ ہو گیا۔

قرآن مجید کے اردو تراجم میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ اس لیے بھی منفرد مقام کا حامل ہے کہ جس تعداد میں تحقیقی مقالہ جات اس کے بارے میں لکھے گئے اور ابھی تک لکھے جا رہے ہیں وہ شرف کسی اور ترجمۂ قرآن کو حاصل نہیں ہوا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ترجمہ سے قبل اردو ترجمہ کی ایسی کوئی مثال بھی موجود نہ تھی کہ جس سے شاہ صاحب نے مدد حاصل کی ہو ماسوائے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کے جو کہ ان کے زیر مطالعہ رہا جیسا کہ موضح قرآن کے

مقدمے میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس اعتبار سے جتنی بھی ہندی تراکیب کا استعمال ہوا ہے وہ شاہ صاحب کی ادبی اجتہادات پر مشتمل ہے۔ جس کی مثال پیش کرنے سے اردو زبان قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ اب جو شخص بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے مطالعے میں سرفہرست موضح قرآن ہی ہوتا ہے جیسا کہ انگریزی زبان کے مترجم کے لیے ''اے جے آربرے یا مارما ڈیوک پکھتال'' کا ترجمہ اہمیت رکھتا ہے یا فارسی دان طبقے کے لیے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ترجمہ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے۔

اس حوالے سے ایک حیران کن امر جس سے شاہ صاحب کی دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے یہ کہ ان کے دل میں دین کی نشر و اشاعت کی کتنی تڑپ تھی اس وقت اردو زبان میں ہندی کلمات اس قدر معروف نہ تھے بلکہ صرف ہندو مذہب کے جاننے والے ان کو استعمال کرتے تھے ان ہندی کلمات و تراکیب کے استعمال سے غالبا شاہ صاحب کے سامنے ایسا ہی کوئی مقصد رہا ہوگا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں یہ اصول تحریر کیا کہ:

> ''کسی غیر مسلم قوم پر دین حق کی تبلیغ اتمام حجت کی حد تک کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قوم کی زبان میں اسلامی اصول پیش کیے جائیں تاکہ وہ سمجھیں اور اگر اس کا درجہ ابلاغ دین نہ ہوگا تو وہ قوم اصحاب الاعراف کی حیثیت میں ہوگی۔'' (۴۰)

اسی وجہ سے موضح قرآن میں بعض اوقات ٹھیٹھ ہندی تراکیب اور سنسکرت کے کلمات کا استعمال کیا۔ جبکہ ان مقامات پر سادہ اردو زبان کی تراکیب موجود تھیں لیکن ایک اعلیٰ مقصد کی غرض سے ان کا استعمال انتہائی مناسب ثابت ہوا۔

درج ذیل مثال ملاحظہ ہو:

﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ﴾ (۴۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر۔

سٹک جانا سانپ کے نکل جانے سے بنا ہے سٹک چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو نہایت پھرتی

سے کھسک جاتا ہے اور سٹک جانے میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت کھسک جانے کے۔

موضح قرآن کے کچھ ادبی پہلو مختصرا درج ذیل ہیں:

☆ موضح قرآن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اس میں تمام مستند تفسیری اور فقہی اقوال کو اس جامعیت سے اکٹھا کیا کہ آیت سے متعلق کوئی بھی پہلو نظر انداز نہیں ہوا بلکہ سب کا احاطہ ہو گیا جس سے جامعیت و وسعت پیدا ہو گئی

☆ گو کہ دیگر مترجمین نے بھی اپنے تراجم میں اردو محاورات کا استعمال کیا ہے لیکن جس انداز میں شاہ صاحب نے ان کا استعمال کیا وہ عدیم المثال ہے کہ دو سو سال گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

☆ شاہ صاحب کے ترجمہ میں قاری کو کہیں بھی تصنع یا تکلف نظر نہیں آتا کہ یہ لفظ یہاں زوائد میں سے ہو سکتا ہے بلکہ حشو و زوائد کا قطعاً وجود نہیں ملتا بلکہ ہر لفظ برموقع اور برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اس جگہ سب سے زیادہ مناسب ہے۔

☆ مترادفات کے استعمال میں شاہ صاحب کو خصوصی ملکہ حاصل تھا کہ ایک ہی لفظ مختلف مقامات پر اس ترکیب سے استعمال کیا کہ ہر جگہ اس کا مفہوم آیت سے نزدیک تر معلوم ہوتا ہے اور اگر آیت میں مترادفات کا استعمال ہوا ہے تو ترجمہ میں بھی اسی شان کو برقرار رکھا گیا ہے جس سے شاہ صاحب کی ہر دو زبانوں پر دسترس ثابت ہوتی ہے۔

☆ ترجمہ کے دوران شاہ صاحب نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کہیں بھی کوئی ایسی ترکیب نہ آجائے جو رکاکت لغوی کے زمرے میں شمار کی جاتی ہو اور کوئی بازاری لفظ اس میں شامل نہ ہو کیونکہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بے شمار نازک مسائل انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان کیے شاہ صاحب نے بھی ترجمہ میں اس بات کو مدنظر رکھا اور ایسی کسی بھی ترکیب سے اجتناب کیا جس سے حلاوت زبان میں کوئی حرف نہ آئے۔

☆ شاہ صاحب نے موضح قرآن میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا ہے عام فہم ہندی ترکیب میں ترجمہ کے ساتھ کلمات آیات کے حقیقی مفاہیم کو بھی نظر انداز نہیں کیا اس باب میں بھی شاہ صاحب کو تمام مترجمین پر فوقیت حاصل ہے لفظی ترجمہ کرنے والے مترجمین بھی آیات کے

مفہوم کو کلی طور پر ادا کرنے سے قاصر رہے۔اور اس حوالے سے شاہ صاحب نے جو منہج اختیار کیا تھا بعض مقامات پر عربی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ انھی کلمات کو اردو ترکیب میں تحریر کر دیا غالباً اس سے یہ مقصود تھا کہ عجمی زبانوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو ان اصطلاحات کا ترجمہ کر سکے۔

☆موضح قرآن کے علمی پہلو:

موضح قرآن میں شاہ صاحب نے ترجمہ کے دوران یہ اسلوب اختیار کیا کہ کسی بھی اصطلاح کے ترجمہ میں یا آیت میں بیان کردہ مسئلہ کے ترجمہ میں آپ نے اپنے پیش رو مترجمین اور مفسرین کی آراء سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے اجتھاد کی راہ اختیار کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو اللہ تعالی نے قرآن فہمی کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس میں آپ کو علماء میں خاص مقام حاصل ہے۔ترجمہ میں بعض اوقات انتہائی مختصر فقروں میں وسیع مضامین اور مسائل کا حل بیان کر دیا جس سے شاہ صاحب کی کمال حکمت اور کلام و زبان و بیان پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے اور اس حوالے سے بعض علماء جنھوں نے شاہ صاحب کے ترجمے پر کلام کیا ہے ان سب کی یہ رائے ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہت سی تفاسیر پڑھ کر بھی حاصل نہیں ہوتا ۔اس میں شاہ صاحب نے حتی الامکان کوشش کی کہ موضح قرآن کو مختلف فلسفیانہ اور متکلمانہ بحوث سے پاک رکھا جائے ۔شاہ صاحب نے ان آیات کے ترجمہ میں بھی جس اجتھاد سے کام لیا ہے وہ حیران کن ہے کہ اس زمانہ میں ان حقائق کا کسی کو بھی علم نہ تھا جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوگا جس میں بلندی پر آکسیجن کی کمی کا بیان ہے۔

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ﴾ (۴۲)

ترجمہ از شاہ صاحب: سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

شاہ صاحب نے ''ضیقاً'' کا ترجمہ تنگ کرنے کے بعد ''حرجا'' کا ترجمہ خفہ سے کیا جس کا

مطلب خفیف اور ہلکا جس سے آسمان پر چڑھنے والے کی کیفیت سامنے آجاتی ہے کہ جس چیز کا وزن جتنا کم ہوگا وہ بلندی پر اتنی ہی زیادہ مشکلات کا شکار ہوگی سانس کی تنگی تو ہے ہی ۔قرآن مجید نے اوپر چڑھنے والے کے لیے تنگی کے عوارض کا ذکر کیا ہے لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے سائنس کے تجربات کی تصدیق بھی کر دی جن کی عملی تصدیق بہت بعد میں سائنس نے کی۔

اس حوالے سے چند نکات کا تذکرہ مختصراً درج ذیل ہے:

☆ شاہ صاحب نے آیات کے مابین ظاہری تعارض کو دور کرنے میں جو اسلوب اختیار کیا اس کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ میں تضاد وتخالف سے بالاتر ہوکر حقیقی مفاہیم کا بیان بھی شامل ہے۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ ﴾ (۴۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر چڑھ گیا آسمان کو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین بنائی گئی اور پھر آسمان کو بنایا گیا لیکن اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴾ (۴۴)

ترجمہ از شاہ صاحب: کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان؟ اس نے وہ بنایا اونچی کی اس کی بلندی پھر اس کو صاف کیا اور اندھیری رات اس کی اور کھول نکالی اس کی دھوپ اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھایا۔

شاہ صاحب نے اس پر جو فائدہ لکھا اس سے کیفیت اختلاف رفع ہوگئی ہے لکھتے ہیں:

''سورۂ فصلت یعنی سجدہ میں آسمان کو پیچھے کہا یہاں زمین کو پیچھے سو یہاں آسمان کا بنانا ہے اونچا اور دن رات ٹھہرانا یہ شاید زمین سے پہلے ہو وہاں ان کو سات کرنا بانٹ پھر

ہر ایک میں جدا دستور چلانا شاید زمین کے پیچھے ہو۔''

یعنی اس ظاہری تعارض کو اس طرح دور کیا کہ سب سے پہلے زمین کو تخلیق کیا لیکن اسے بچھایا نہیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہو کر دو دنوں میں اسے سات میں تقسیم کر دیا پھر زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ کھڑے کر دیے اور دریا بہائے پس حقیقت میں زمین کی تخلیق آسمان سے قبل ہے لیکن بچھانے کا عمل آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ایسی آیات کی ایک طویل فہرست ہے جن میں شاہ صاحب نے اپنی اجتہادی صلاحیتوں سے کام لے کر آیات کے مابین ظاہری تعارض کو دور کیا۔

موضح قرآن اور مظاہر فطرت:

ایک محتاط اندازے کے مطابق قرآن مجید کا چھٹا حصہ مظاہر فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ان کائناتی سچائیوں کا تذکرہ رب العزت کی ذات لم یزل ولا یزال پر شہادت ہے۔ایسی آیات جن میں مظاہر فطرت کا بیان ہے چونکہ یہ خالص علمی اور فنی موضوع ہے لہٰذا قرآن مجید نے بھی اس کو مدنظر رکھ کر جو اصطلاحات استعمال کیں ان کا لغوی ترجمہ حقیقی مفہوم کو ادا نہیں کر پاتا جس کی بنا پر ان آیات کے مفہوم پر انحصار کرنا پڑتا ہے گو کہ ابھی تک ایسی کوئی جامع تحقیق سامنے نہیں آئی جس میں ان تمام اصطلاحات کا ترجمہ کیا گیا ہو کہ مظاہر فطرت کے حوالے سے جدید تحقیق اور اصطلاحات سائنسی انگریزی زبان میں ہیں۔

موضح قرآن جو کہ دو سو سال قبل کیا گیا ترجمہ ہے ،شاہ صاحب نے ان آیات اور اصطلاحات کے ترجمہ کے لیے کیا اسلوب اختیار کیا ہے اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں جو کہ تخلیق آدم سے متعلق ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ (۴۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے۔

اب اس آیت میں ''تراب'' کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''خاک'' سے کیا جس کا مطلب بے جان مٹی ہے اور جدید سائنسی تحقیق بھی یہی ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ﴾ (۴۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور وہی ہے جس نے بنایا ہے پانی سے آدمی۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (۴۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے۔

شاہ صاحب نے تراب اور طین کے ترجمے میں جو فرق کیا ہے وہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴾ (۴۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: ہم ہی نے ان کو بنایا ایک گارے چپکتے سے۔

"طین لازب" کا ترجمہ شاہ صاحب نے "چپکتے گارے" سے کیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ (۴۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: بنایا ہے آدمی چن لی مٹی سے۔

شاہ صاحب نے "سلالة من طين" کا ترجمہ "چن لی مٹی سے" سے کیا ہے جس سے یہ مطلب بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ "مٹی سے" کا مفہوم "مٹی کا خلاصہ" ہی ہو سکتا ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴾ (۵۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔

شاہ صاحب نے ان آیات کے ترجمے میں جس اجتہاد سے کام لیا وہ اس اعتبار سے حیران کن ہے کہ تخلیق انسان کی بہت ساری کیفیات بیسویں صدی میں سامنے آئیں ہیں جبکہ کچھ مفسرین سے ان اصطلاحات کے ترجمے اور تفسیر میں تسامحات بھی ہوئے جو کہ شاہ صاحب کے زمانے کے بعد سے تعلق رکھتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً ﴾ (۵۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: لوگ ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان

اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں ۔

اس آیت میں چار ''کلمات'' قابل غور ہیں: نفس واحدۃ ،خلق منها زوجها ، بث، زوجها ،جن کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''ایک جان''، ''اسی سے بنایا اس کا جوڑا''، ''بکھیرے''، ''جوڑا'' ان چاروں اردو کلمات کے مفاہیم عربی کلمات کی احسن ترجمانی کر رہے ہیں۔ اور سائنسی نظریات کی تصدیق و تائید بھی ہو رہی ہے۔ ہر مرتبہ جب ایک نیا انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کی تخلیق کا آغاز ''نفس واحدۃ'' سے ہوتا ہے اور حیات کا یہ سلسلہ نسل در نسل چلا جا رہا ہے۔ اور جمہور مترجمین اس کا اطلاق حضرت آدم علیہ السلام پر کرتے ہیں۔

''اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا'' سے ماہر جنینیات توارث کے قوانین کا اثبات کرتے ہیں کہ بہت سی اشیا انسان میں وراثتاً منتقل ہوتی ہیں۔

اور بث کا ترجمہ بکھیرے سے کیا کہ بث کے لغوی معانی کسی چیز کو منتشر کرنا ، پھیلا دینا ہیں اور بث کے ایک معنی کسی چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے کے بھی ہوتے ہیں (۵۲) اور لفظ زوج کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''جوڑے'' سے کیا جبکہ یہ لفظ قرآن مجید میں کثیر المعانی استعمال ہوا ہے جس میں بیوی، شوہر، صنف اور جوڑا کے مفاہیم شامل ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمَاتٍ ثَلٰثٍ ﴾ (۵۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں، طرح پر طرح بنانا تین اندھیروں کے بیچ۔

اس آیت کے ترجمہ میں ''تین اندھیروں کے بیچ میں'' قابل غور ہے کہ ان تین اندھیروں سے کیا مراد ہے جبکہ شاہ صاحب نے بیچ میں کی ترکیب استعمال کر کے مزید بات کو واضح کر دیا کہ یہ تینوں اندھیرے ایک کے بعد ایک واقع ہیں جیسا کہ انھوں نے حواشی میں بھی لکھا ہے:

''ایک پیٹ، ایک رحم، ایک جھلی، وہ جھلی ساتھ نکلتی ہے۔'' ﴿۵۴﴾

اور جدید سائنس نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تین اندھیروں سے کیا مراد ہے پہلا اندھیرا ماں کے پیٹ کی دیوار اور دوسرا اندھیرا رحم مادر کی دیوار اور تیسرا اندھیرا جھلیوں کے غلاف

ہیں۔(۵۵)

☆موضح قرآن کا تنقیدی جائزہ:

شاہ صاحب کے ترجمہ کی عمومی کیفیت یہ ہے کہ اس کے مثبت پہلو بہت زیادہ ہیں لیکن چونکہ یہ ایک بشری کام تھا لہٰذا اس کے بعض مقامات پر کچھ ایسی آرا اور اقوال ہیں جو موضح قرآن اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے منہج سے مطابقت نہیں رکھتے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ موضح قرآن کا حصہ ہیں جس کی وجہ سے ان مقامات پر موضح قرآن کو سمجھنا از حد مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا درج ذیل سطور کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ان میں سے بعض مقامات میں سے چند کو واضح کیا جائے مکمل احاطہ اس مختصر تحریر میں بہت مشکل ہے:

۱: اسرائیلی روایات کا ذکر
۲: اجنبی اور قدیم الفاظ کا استعمال
۳: اغلاط سے پاک نسخہ عام نہ ہو سکا
۴: ضمائر کے استعمال میں اسلوب ایجاز
۵: ترجمہ میں آیات احکام میں حنفی مسلک کی تقلید

ا۔اسرائیلی روایات کا ذکر:

شاہ صاحب نے ترجمہ اور فوائد میں جو اسلوب اختیار کیا اس میں ان کے اجتہاد کا بہت عمل دخل تھا لیکن اس کے باوجود تفسیری کتب کے ذخیرے میں جو اسرائیلی روایات اور ضعیف اقوال موجود ہیں ان سے مکمل طور پر اجتناب نہ کر سکے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے مفسرین نے یہ روایات اپنی کتب میں بیان کیں لیکن یہ کوئی صحت کی دلیل نہیں ہے اور گو کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے موضح قرآن میں ان کمزور اور ضعیف روایات اور بالخصوص ایسی روایات جن پر علماء نے کلام کیا ہے ان سے احتیاط برتی ہے لیکن پھر بھی کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں شاہ صاحب ان غیر مستند آثار اور اقوال سے جان نہ چھڑا سکے وجہ غالباً ان کی شہرت ہوگی جن کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں

ارشار باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

الْمَسِّ ﴾ (۵۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپٹ کر۔

اور ایک دیگر مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ کَالَّذِی اسْتَھْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَهٗ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗ اِلَی الْھُدَی ﴾ (۵۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے جنگل میں بہکتا۔

ان دونوں آیات میں شاہ صاحب نے شیطان کا ترجمہ جن اور آسیب سے کیا جو سلف صالحین یا تفسیر منقول سے ثابت نہیں ہے بلکہ شیطان سے شیطان ہی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تمام مفسرین نے شیطان کا ترجمہ ابلیس سے کیا ہے جو مخلوق خدا کو صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف راغب کرنے میں مصروف عمل ہے جس کے مارنے اور چھونے سے اس کا گمراہ ہونا مراد ہے اور برائی پر مبنی وساوس میں مبتلا کرنا ہے شاہ صاحب کا جن اور آسیب کے ذریعے ترجمہ کرنا ایک بہت بڑا تسامح تھا جس سے شاہ صاحب باوجود صحیح منہج کے احتیاط نہ کر سکے۔

۲۔اجنبی اور قدیم الفاظ کا استعمال:

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں کچھ مقامات پر اجنبی اور غیر مانوس تراکیب کو بھی استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے اردو دان طبقہ کے لیے ان آیات کے سمجھنے اور مفاہیم کے تعین میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس سے موضح قرآن کے عام فہم ہونے کا تاثر قائم نہ رہ سکا گو کہ اگر حقیقت پسندی سے جائزہ لیا جائے تو ان تراکیب کو اس زمانے کی فصیح اور ترقی یافتہ زبان کی نسبت سے اجنبی یا متروک نہیں کہا جا سکتا اور اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے مختلف ادوار کی تاریخ مدد و معاون ہے کیونکہ اردو زبان مختلف زبانوں اور مختلف خطوں میں پروان چڑھی لہٰذا بعض اوقات ایک علاقے کے کلمات دوسرے علاقے کے لیے اجنبی کہے جا سکتے ہیں اور اسی طرح ترقی کے مراحل طے کرنے کے بعد ان تراکیب کا استعمال ختم ہوتا گیا۔ان میں سے چند کلمات درج

ذیل ہیں:

چیتو گے ، الوپ ہوجانا، سین کرتے ،الصمد کا ترجمہ نرا ادھار کیا ہے ،اور کہیں کہیں شاہ صاحب نے اللہ تعالی کے لیے شخص کا لفظ استعال کیا ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴ میں دیکھا جا سکتا ہے ، مزید تفصیل کے لیے ممتاز عالم دین اخلاق حسین قاسمی صاحب کی کتاب ''محاسن موضح قرآن'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔(۵۸)

بعد میں ان کلمات اور تراکیب پر مختلف زمانوں میں کچھ علماء نے حواشی اور شروح بھی لکھی ہیں جس سے انھیں سمجھنے میں کچھ آسانی ہوئی ہے لیکن بہرحال جہاں مکمل ترجمہ میں آسان اور رواں دواں انداز اختیار کیا گیا ہے وہاں ان کا استعمال واقعی موضح قرآن کے قاری کے لیے مشکلات کا سبب بنتا ہے اور بعض جگہ شاہ صاحب نے خود ہندی یا اردو تراکیب وضع کیں جو بالکل اجنبی تھیں جس کی وجہ سے ان کے مفاہیم کے تعین میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

۳۔اغلاط سے پاک نسخہ عام نہ ہوسکا:

موضح قرآن کے حوالے سے ایک بہت بڑی مشکل یہ تھی کہ عمومی طور پر جو نسخہ جات معروف تھے ان میں کتابت کی بے پناہ غلطیاں تھیں اور بالخصوص سید عبداللہ مرحوم کا نسخہ جس میں انھوں نے موضح قرآن کو آسان کرنے کی نیت سے جزوی ترامیم واصلاح سے بھی کام لیا یہ نسخہ بھی اغلاط سے بھرا ہوا تھا بلکہ بعض مقامات پر تو سید عبداللہ سے موضح قرآن پر حواشی تحریر کرنے میں تسامحات بھی ہوئے۔

ایک دوسری وجہ یہ بنی کہ کوئی ایسا مقام جہاں پر آیت قرآنی گیرائی اور گہرائی کی متقاضی تھی وہاں شاہ صاحب نے انھی علمی کلمات کے ترجمے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے وہ عام کاتب اور ناقل اپنی کم علمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے جس کی وجہ سے کتابت کی غلطیاں بھی رونما ہوئیں جس سے موضح قرآن کا حسن مسخ ہوا۔

۴۔ضمائر کے استعمال میں اسلوب ایجاز:

موضح قرآن میں شاہ صاحب نے ضمائر کے ترجمے کے لیے جو اسلوب اختیار کیا وہ اردو تو کجا دنیا کی تمام زبانوں میں ادباء نے استعمال نہیں کیا۔

شاہ صاحب نے ضمائر کے ترجمے میں بھی اسی ایجاز اور اختصار کے اسلوب کو مدنظر رکھا غالباً وہ یہ سمجھتے تھے کہ ضمائر کی تکرار جملے کے حسن کو ختم کر دیتی ہے اور مثالی ادبیت اس میں قائم نہیں رہتی اور ترجمہ حسن لطافت سے خالی ہو جاتا ہے چنانچہ ضمائر کے استعمال میں از حد محتاط رہتے تھے۔

جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ تحریر میں ابہام پیدا ہو جاتا تھا جو کہ لغت میں ضعیف سمجھا جاتا ہے اور یہ وجہ ان دو بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی کہ علماء موضح قرآن پر حاشیہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

۵۔آیات احکام میں حنفی مسلک کی تقلید:

شاہ صاحب گو کہ ترجمے میں لغوی اجتهاد سے کام لے کر انتہائی خوبصورت تراکیب کے ذریعے قرآنی مفاہیم کو واضح کرتے رہے لیکن ایک سب سے بڑا اعتراض جو آپ پر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ شاہ صاحب جیسا صاحب بصیرت عام عقائد اور مسائل میں جہاں اپنی انفرادی عظمت کا ثبوت دیتا ہے وہاں فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اجتهاد کے مکمل پابند نظر آتے ہیں اس تقلید کی وجہ سے موضح قرآن اور اس پر حواشی صرف ایک مسلک تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں جو شاہ صاحب جیسے جید عالم دین جن کی قرآنی تعلیمات پر اتنی گہری نظر ہو ان کے شایان شان نہ تھا۔

حواشی وحوالہ جات

۱: شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی ،محمد فاروق خان ایم اے، صفحہ نمبر ۷، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
۲: انوار الباری مجموعہ افادیات انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جلد دوم صفحہ ۲۰۵،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان
۳: لال قلعہ کی جھلک ، ناصرنذیر صاحب فراق صفحہ ۶۳
۴: انوار الباری مجموعہ افادیات انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جلد دوم صفحہ ۲۰۵،ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۵: شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی ،محمد فاروق خان ایم اے، صفحہ نمبر ۲۱، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
۶: ماہنامہ برہان دہلی ،سعید احمد صاحب اکبر آبادی ، ماہ اگست ۱۹۷۷ء، دہلی انڈیا
۷: سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، جلد دوم، صفحہ نمبر ۱۷۲
۸: مقدمہ ترجمہ قرآن، شیخ الہند محمود الحسن ،مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء صفحہ نمبر ۲۷۱
۹: ترجمہ قرآن مع غرائب القرآن، از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، صفحہ نمبر ۹، مطبعہ قاسمی دہلی
۱۰: مکاتیب ابوالکلام آزاد، ابوالکلام آزاد، اردو اکیڈمی کراچی سندھ، صفحہ نمبر ۱۹۷
۱۱: مقدمہ ترجمۂ قرآن مولانا احمد علی لاہوری، صفحہ نمبر ۶ مطبع انجمن خدام الدین، لاہور
۱۲: آثار الصنادید، سرسید احمد خان صفحہ ۳۶۲
۱۳: مقدمہ ترجمہ قرآن از مولانا احمد علی لاہوری، صفحہ نمبر ۵، مطبع انجمن خدام الدین، لاہور
۱۴: سورۃ البقرۃ/۳۵
۱۵: سورۃ النساء/۷۰

۱۶: سورۃ الانعام/۱۶۰

۱۷: سورۃ الاعراف/۸۵

۱۸: سورۃ عبس/۲۵

۱۹: سورۃ الفاطر/۴

۲۰: سورۃ الجمعۃ/۱۰

۲۱: سورۃ التوبہ/۲۸

۲۲: سورہ مریم/۳۶

۲۳: سورۃ الفاتحۃ/۴

۲۴: سورۃ الاعراف/۱۹۹

۲۵: سورۃ المومنون/۹۱

۲۶: سورۃ الانبیاء/۲۲

۲۷: سورۃ یوسف/۸۲

۲۸: سورۃ الرعد/۳۱

۲۹: سورۃ الفرقان/۳۲

۳۰: سورۃ الانبیاء/۱۸

۳۱: سورۃ التکویر/۱۸

۳۲: سورۃ الذاریات/۱۰

۳۳: سورۃ عبس/۱۷

۳۴: سورۃ البقرۃ/۱۴،۱۵

۳۵: سورۃ المائدۃ/۱۱۶

۳۶: سورۃ آل عمران/۵۴

۳۷: سورۃ العنکبوت/۴۱

۳۸: سورۃ البقرۃ/۱۷

۳۹: سورۃ یونس/۳۹

۴۰: حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، باب طبقات الامت، جلد ا، صفحہ ۱۱۷

۴۱: سورۃ النور/آیت نمبر ۶۳

۴۲: سورۃ الانعام/۱۲۵

۴۳: سورۃ البقرۃ/۲۹

۴۴: سورۃ النازعات /آیات ۲۷ تا ۳۰

۴۵: سورۃ المؤمن/۶۷

۴۶: سورۃ الفرقان/۵۴

۴۷: سورۃ الانعام/۲

۴۸: سورۃ الصافات/۱۱

۴۹: سورۃ المؤمنون/۱۲

۵۰: الرحمٰن/۱۴

۵۱: سورۃ النساء/۱

۵۲: مفردات القرآن، راغب اصفہانی، صفحہ نمبر ۱۰۸، دار القلم، دمشق

۵۳: سورۃ الزمر/۶

۵۴: موضح قرآن، شاہ عبدالقادر، حاشیہ آیت نمبر ۶، سورۃ الزمر

۵۵: مظاہر فطرت اور قرآن، ڈاکٹر عبدالودود، صفحہ نمبر ۲۸۰، مطبعہ ۱۹۸۸، خالد پبلی کیشنز، لاہور

۵۶: سورۃ البقرۃ/۲۷۵

۵۷: سورۃ الانعام/۷۱

۵۸: محاسن موضح قرآن، اخلاق حسین قاسمی دہلوی، صفحہ نمبر ۵۱۵ تا ۵۲۳، ذوالنورین اکیڈمی بھیرہ، ضلع سرگودھا